علامہ ابن قیمؒ کے فقہی مطامح

طفیل احمد قریشی

ساتویں صدی ہجری کا زمانہ مسلمانوں پر مختلف مصائب کے نزول کا دور تھا۔ بغداد جو کسی زمانے میں علوم وفنون کا مرکز تھا، تاتاریوں کے حملے سے ۶۵۶ھ میں کھنڈر بن گیا۔ بغداد کے بعد مصر میں جو برائے نام عباسی خلافت قائم ہوئی، وہاں اصلی حکمراں سلطان اور امرار تھے، جو ہمیشہ ایک دوسرے سے دست وگریباں رہتے تھے۔ ادھر صلیبی جنگیں تھیں جن کا آغاز ۴۹۰ھ میں ہوا اور ۶۹۰ھ تک یعنی تقریباً دو سو سال تک ان کا سلسلہ جاری رہا۔ سیاسی انحطاط کے اس زمانے میں وہ علمی سرگرمیاں کہیں نظر نہیں آتیں جن کا چرچا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اسلامی شہروں میں تھا۔ تاریخِ فقہ میں یہ چھٹا دور کہلاتا ہے۔ جسے "تقلید محض" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تقلید محض کے اس دور میں چند علمار کے علاوہ مذہبی حلقے صرف تقلید پر تکیہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ابن الحاجب۔ ابن دقیق العید۔ ابن الرفعہ۔ ابن تیمیہ۔ سبکی۔ بلقینی۔ کمال بن الہمام۔ جلال الدین المحلی۔ جلال الدین سیوطی۔ ابن قیم وغیرہم کے علاوہ علمار کی اکثریت کسی نہ کسی فقہی مسلک سے منسلک نظر آتی ہے۔ فقہ کے مختلف ادوار کا

جائزہ لیتے ہوئے خضری نے اس دور کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

ثم نرجع البصر الى ما بعد ذلك فلا نسمع باسم عالم كبير او فقيه عظيم او مؤلف مجيد بل نجد قوما غلبت عليهم القناعة فى الفقه - فقلما تجد من يشتغل بغير مذهبه - و اذا اشتغل بمذهبه قصر على تلك الكتب التى اشتد بها الاختصار حتى كانها ما الفت لتفهم كان السقوط السياسى سقط بالعلم ولاسيما الدينى منه الى هوة بعيدة الغاية[1] -

" جب ہم اپنی نظر اس کے بعد کے دور پر ڈالتے ہیں تو کسی بڑے عالم۔ بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سنتے بلکہ ایک ایسی قوم ملتی ہے جس پر فقہ میں قناعت کر لینے کا غلبہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ (اس دور میں) آپ کو بہت کم ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے فقہی مذہب کے علاوہ کسی اور مسلک سے بھی استفادہ کرتے ہوں۔ اور جب اپنے مذہب میں مشغول ہوتے (استفادہ کرتے ہیں) تو صرف ان کتب پر اکتفا کرتے ہیں جن میں اختصار اس قدر ہے گویا وہ سمجھنے کے لئے نہیں لکھی گئیں۔ غالباً سیاسی زوال نے (اس دور میں) علم بالخصوص مذہبی علم کو ایک گہرے غار میں گرا دیا "

یہ ہے فقہ کی تاریخ کا چھٹا دور جس میں محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الذرعی الدمشقی ابوعبداللہ شمس الدین، صفر ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۷۵۱ھ میں راہئ ملکِ بقا ہوئے۔ آپ کے والد چونکہ دمشق کے مشہور مدرسہ الجوزیہ کے قیم تھے اس لئے وہ ابن قیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسی نام (ابن قیم) کے ایک اور عالم الفخر الفارسی (المتوفی سنہ ۶۱۰ھ) بھی ہیں، جن کا شمار مصری محدثین میں ہوتا ہے۔ اس لئے نام کے اس اشتباہ سے بچنے کے لئے آپ کو ابن القیم الجوزیہ بھی کہا جاتا ہے۔

ابن قیم نے جب اپنے دور کا گہرا مطالعہ کیا تو انہیں مذہبی امور میں کوئی ایک کونہ نہیں

---

[1] محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، صفحہ ۳۸۰، قاہرہ، سنہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

بلکہ مختلف راہیں اصطلاح طلب نظر آئیں۔ مختلف کلامی مذاہب اور صوفیاء کے مختلف معتقدات نے ان عقائد کو جنم دیا تھا، جو امت میں برسوں سے باعث اختلاف بنے ہوئے تھے۔ ایک کلامی مذہب دوسرے کی کھلم کھلا تکفیر کرتا تھا اور ہر ایک مُصر تھا کہ اسی کے عقائد عین اسلام ہیں۔ جہاں تک فقہی مسالک کا تعلق تھا ابن قیم کی رائے میں اُن کا بن جانا اتنا خطرناک نہ تھا، جتنا ان مسالک کے چار پیروکاروں کا یہ رجحان کہ صرف ان ہی کا مخصوص مسلک درست ہے۔ اس سے سرِمُو اِدھر اُدھر ہٹنا درست نہیں۔ اس رجحان نے امت میں نہ صرف جمود کی کیفیت طاری کر دی بلکہ فکری آزادی بھی بالکل ختم ہو گئی تھی۔

قوانین کی تطبیق ایجابی بھی ہو سکتی ہے اور سلبی بھی۔ لیکن جب افراد کا رجحان قانون کی سلبی تطبیق کی طرف ہو۔ اور اس کے پیش نظر افراد سلبی پہلو ہی کو اختیار کریں تو گو قانونی نقطۂ نگاہ سے اس پر گرفت نہیں کی جا سکتی لیکن اسے قانون کی صحیح تطبیق نہیں کہا جا سکتا۔ قوانین شریعت میں اس قسم کی راہ "حیلہ" کہلاتی ہے۔ امت میں ان حیلوں کے رواج پا جانے یا علماء کے درسوں میں ان کی طرف رغبت کی صورت حال سے ابن قیم مطمئن نہ تھے۔

شرعی قوانین کے نفاذ کا معاملہ ہو یا ان کے طریق استنباط کا۔ مختلف فقہی مسالک میں کسی ایک کی تقلید کا مسئلہ ہو یا سبھی مسالک سے احکام کے اخذ کرنے کا سوال۔ ابن قیم کی نگاہ میں ان سب صورتوں اور حالات میں روح شریعت کی تفہیم ضروری ہے جو اُن کے خیال میں ان کے دور میں کم ہوتی جا رہی تھی۔ غرض علامہ ابن قیم کی پوری دعوت کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) عقائد میں اسلاف کے مذہب کی تلقین۔
(۲) فکر و نظر کی آزادی کی طرف راہنمائی۔
(۳) قوانین شرعیہ سے تلعب کے خلاف جنگ۔
(۴) روح شریعت کی تفہیم پر زور۔

عقائد کے بارے میں علامہ ابن قیم نے جو کچھ لکھا وہ اس وقت ہمارے زیر بحث

نہیں ہم یہاں صرف باقی تین موضوعات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) فکر ونظر کی آزادی

فقہی مسائل میں کورانہ تقلید کے علامہ ابن قیم سخت مخالف تھے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سرے سے فقہی مسالک ہی کے مخالف تھے۔ فقہی مسلک کے اعتبار سے ابن قیم حنبلی ہیں اور جاہل یا معمولی پڑھے لکھے آدمی کے لئے وہ مسائل کی تعلیم کسی فقہی مسلک ہی کے ذریعے دینے کے قائل ہیں۔ لیکن ایک ایسا عالم جس کی قرآن وسنت، اقوال علمائے امت اور مختلف فقہی مذاہب پر عالمانہ نظر ہو، اس کا کسی خاص فقہی مسلک سے غیر متجاوز حد تک چپک رہنا اُن کے نزدیک اس عالم کی کورانہ تقلید اور تعصب کی نشانی ہے۔ اس قسم کی تقلید یا تعصب پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ محمد الخضری نے اس دور کے ایک عالم ابوالحسن عبداللہ الکرخی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

کل آیة تخالف ما علیه اصحابنا فهی مؤولة أو منسوخة وکل حدیث کذٰلك فهو مؤول أو منسوخ[1]

"یعنی ہر آیت جو ہمارے اصحاب کے (فقہی مسلک) کے خلاف ہے وہ یا تو مؤوّل ہے یا منسوخ۔ اسی طرح حدیث بھی (جو ہمارے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے) وہ یا مؤوّل ہے یا منسوخ"

علامہ ابن قیم کی رائے میں علماء کا اس حد تک بڑھ جانا یا تو ان کے مذہبی تعصب کی نشانی ہے یا "تقلید محض" پر قانع ہو جانے کی دلالت۔ تقلید کے اس حد تک غلبہ کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے وہ تین طریقے تجویز کرتے ہیں۔

۱۔ علماء کو ائمہ سلف کے اقوال یاد دلاکر "تقلید محض" کے دائرے سے باہر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ تقلید اور اتباع کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی ص ۳۲۵۔

۳- عصری مسائل اور عقلی دلائل کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اجتہاد کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ کو جب کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے یا آپؐ کے بعد آپؐ کے قریبی لوگوں سے کسی مسئلہ سے متعلق آپؐ کا فعل یا حکم معلوم کرتے تھے۔ جب تابعین کا دور آیا تو صحابہؓ سے سنّتِ رسولؐ کے سلسلے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ اور جب ائمہ کا دَور آیا تو انہوں نے بھی اسی طریقہ کو برقرار رکھا۔ لیکن جب فقہ مختلف مذاہب میں بٹ گئی اور جزئیات میں علماء نے اختلاف کیا۔ یا طریقِ استنباط میں اپنی خاص رائے دی تو بعد میں آنے والوں نے ان آراء کو اصل مسائل سمجھ کر من وعن اسی طرح برقرار رکھنے پر اصرار کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے مخالف اگر کسی دلیل کی بنا پر کوئی صحیح بات بھی کہتے تو اسے تسلیم نہ کیا جاتا۔ اور بات عبداللہ الکرخی کے اس قول پر آکر ختم ہوجاتی، جس کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن قیم ائمۂ سلف کے اقوال خاص طور پر نقل کرتے ہیں تاکہ اس بارے میں جمود کی شدت کم ہوسکے۔ مثلاً ایک جگہ وہ امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

اذا رویت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا ولم اٰخذ بہ فاعلموا ان عقلی قد ذھب[1]۔

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت بیان کی جائے اور میں اسے نہ لوں تو سمجھ لو کہ میری عقل ماری گئی ہے۔"

اسی طرح وہ امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔

لا یحل لاحد ان یقول بقولنا حتی یعلم من این قلناہ۔

"کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول کے بارے میں کچھ کہے یہاں تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ ہم نے وہ بات کہاں سے لی ہے۔"

---

[1] عبدالعظیم، ابن قیم الجوزیہ، ص ۹۳، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۶ء بحوالہ نفس المرجع ص ۳۶۱

اور امام مالک کا یہ قول کہ :-

انا بشر أخطی وأصیب فانظروا فی رائی - فما وافق الکتاب والسنة فخذوا به ومالم یوافق فاترکوه[1] -

"یعنی میں ایک انسان ہوں جس سے غلطی اور بھول ہوسکتی ہے تو تم میری رائے دیکھو اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو تو اپنالو اور اس کے مطابق نہ ہو تو اسے ترک کردو۔"

تقلید اور اتباع کے فرق کو واضح کرتے ہوئے علامہ ابن قیم تقلید کو ممنوع اور اتباع کو جائز و احسن خیال کرتے ہیں۔ مثلاً تقلید کی تعریف ابوعبداللہ بن خواز منداد البصری المالکی الفاظ میں یوں کی گئی ہے۔

التقلید معناه فی الشرع الرجوع الی قول لاحجة لقائله علیه۔

"شریعت میں تقلید کے معنیٰ ایسی بات کو اپنانے کے ہیں جس کے قائل کے پاس اس کی دلیل نہ ہو۔"

اور اتباع کے بارے میں یہ کہا گیا ہے "فهو العمل بقول ثبتت علیه الحجة"

اتباع نام ہے عمل کا جو ایسے قول پر ہو جس پر دلیل ثابت ہو جائے۔

چنانچہ ائمہ سلف کی مختلف فقہی آراء جو اُن سے منقول ہیں، ان (ائمہ) کے نزدیک محقق ہیں ہی لیکن ایک ایسا شخص جو عالم بھی ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ فلاں مختلف فیہ مسئلے میں فلاں امام کی رائے زیادہ قرینِ قیاس اور قابلِ قبول ہے، پھر بھی وُہ اس پر مُصر ہے کہ چونکہ میرا ہمارے مسلک کے امام کی ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہُوا جا سکتا تو یہ کورانہ تقلید ہے۔ لیکن ایسی فقہی رائے جو ائمہ سلف میں بھی کسی نے بیان کی اور ایک عالم جب دلائل کی روشنی میں اس کا بنظرِ غائر مطالعہ کرکے یہ اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ یہی رائے قابلِ قبول ہونی چاہیئے (جب تک کہ کوئی مزید دلیل کسی اور امام کے قول کے لئے علم میں نہ آئے) تو اُسے تقت

---

[1] ایضاً، بحوالہ نفس المرجع صفحہ ۳۰۹ -

ہیں اتباع کہا جائے گا۔

فقہی آراء میں علامہ ابن قیم کسی عالم کے لئے اتباع کو برا نہیں کہتے۔ وہ "تقلید" اور بھی "تقلید محض" کے خلاف ہیں۔ ان کی رائے میں تقلید محض سے علماء میں آزادیٔ فکر ختم ہو تی ہے اور وہ عصری مسائل کے استنباط یا ان کے حل کرنے کی اہلیت کھو بیٹھتے ہیں۔ ایک ۔وہ کورانہ تقلید کے ضمن میں علماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔ آپ یہ کہہ کر نہیں بچ سکتے کہ ہم نہیں جانتے اور اگر یہ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں تو پھر یہ بات خود آپ ہی کے لئے مصیبت بن سکتی ہے کہ تعجب ہے جانتے بوجھتے بھی آپ ایک ایسی بات کو اپنائے ہوئے ہیں، جسے آپ نہیں جانتے۔ فرماتے ہیں ؎

فان كنت لا تدری فتلك مصيبة وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

"یعنی اگر آپ نہ جانتے ہوتے یہ ایک مصیبت تھی اور اگر آپ جانتے تو پھر یہ سب سے بڑی مصیبت ہے"

(۲) قوانینِ شرعیہ سے تلعّب کے خلاف جنگ

شرعی قوانین کے نفاذ کا مقصد ایک ایسے معاشرہ کا قیام تھا، جس میں اسلامی اصولوں کی روح جاری وساری ہو۔ لیکن جب قانون کا نفاذ برائے قانون ہو تو نہ صرف روحِ قانون مفقود ہو جاتی ہے بلکہ ایسی قانونی موشگافیاں بھی ہونے لگتی ہیں جو بالواسطہ قانون شکنی کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان موشگافیوں سے معاشرے کے وہی افراد فائدہ اٹھاتے ہیں جن کا مقصد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے قانونی راہیں ڈھونڈنا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن شرعی قوانین کو نافذ کیا گیا ان کے نفاذ کے ہر پہلو میں قانون کی روح کی عملی عکاسی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی صورت صحابہؓ اور تابعینؒ کے ادوار میں بھی برقرار رہی۔ لیکن جونہی فقہ اسلامی مختلف مکاتب میں بٹی اور فقہی مناظروں کا دور شروع ہوا تو فقہی مباحث اور قانونی موشگافیوں میں مختلف ابواب کا اضافہ ہوا۔ ان میں ایک "باب الحیل" بھی تھا۔ جس کا مقصد ان قانونی حیلوں کی نشاندہی کرنا تھا جن کی بدولت ایک فرد قانون میں رہتے

ہوئے قانون شکنی کرسکتا تھا۔ گو بظاہر اسے قانون شکنی قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس قسم کی قانونی موشگافیوں اور حیلوں کو بڑی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور بڑے شوق سے ان کا مطالعہ شروع ہوگیا۔ اس قسم کے حیلوں کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ایک عورت اپنے شوہر سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ اور شوہر خلع، طلاق پر راضی نہیں ہوتا تو عورت اپنے مُرتد (خارج از اسلام) ہونے کا اعلان کرکے اس کی زوجیت سے الگ ہوسکتی ہے۔ شوہر سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ پھر اسلام قبول کرنے کا اعلان کرکے اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ سے بچنے کے لئے مالِ زکوٰۃ کسی ہانڈی میں ڈال کر اور اس پر کوئی جنس ڈال کر کسی مستحق کی ملک کر دیا جائے اور پھر وہی اس سے خرید لیا جائے تو اس حیلہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی اور مالِ زکوٰۃ بھی واپس آگیا۔ یہی صورت ورثاء میں سے صرف ایک کو ترجیح دے کر باقیوں کو محروم کرنے کے لئے "اقرار قرضہ" کے حیلے کی ہے۔

جب اس قسم کے حیلوں کی عام اشاعت ہونے لگی تو علماء نے اس کی کافی مخالفت کی۔ حماد بن زید، مالک بن انس، سفیان بن عینیہ، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ان علماء سے ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اس قسم کی بالواسطہ قانون شکنی کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا[1]۔ امام احمد بن حنبل سے ایک قول منسوب ہے کہ "من کان کتاب الحیل ببیتہ یفتی بہ فھو کافر بما انزل اللہ علی محمد[2] صلی اللہ علیہ وسلم" (جس کے گھر میں "کتاب الحیل" ہے وہ اس کے مطابق فتویٰ بھی دیتا ہے تو گویا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی (شریعت) کا انکار کیا)۔ امام ابن تیمیہ آئے تو انہوں نے بھی اپنی تصنیف اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل میں حیلوں کی پرزور تردید کی۔ اس کتاب میں حیلہ کی تعریف ہی وہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:-

---

[1] ابن قیم جوزیہ ص۱۰۳ بحوالۃ اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل ص۶۳۔

[2] ایضاً، بحوالۃ نفس المرجع ص۶۴۔

"الحیلة قصد سقوط الواجب او حل الحرام[1] الخ"
(حیلہ کے معنی واجب کو ساقط کرنے یا حرام کو حلال کرنے کے ارادے ہیں)۔

امام ابن تیمیہ کے بعد ابن قیم نے اس پر کڑی نکتہ چینی کی اور ابطال حیلہ پر بہت کچھ لکھا۔ اعلام الموقعین اور نفس المرجع وغیرہ آپ کی ایسی کتب ہیں جن میں ابطال حیلہ پر آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ احکام شرعیہ میں اس قسم کی حیلہ جوئی سے جو صورت پیدا ہوسکتی ہے اس کے چند پہلو یہ بھی ہیں مثلاً یہ کہ

۱ — اس طرح نہ محض شرعی وجوب ترک ہوتے ہیں بلکہ فعل حرام کا استلزام ہوتا ہے۔
۲ — حیلہ جوئی کا رجحان افراد کو غصب، جھوٹ اور دھوکہ دہی کے قانونی سہارے تلاش کرنے پر اکساتا ہے۔
۳ — ایسی باتوں کی ترغیب ملتی ہے جو شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں۔
۴ — حیلوں کا مرتکب نہ تو توبہ کرتا ہے اور نہ انہیں باعث گناہ خیال کرتا ہے۔
۵ — بظاہر تو حیلہ جو مخلوق کو دھوکا دیتا ہے لیکن فی الحقیقت حیلہ جوئی کرکے وہ خدا کو دھوکا دیتا ہے۔
۶ — جب اسلامی احکام کی حیلوں کے ہاتھوں بیخ کنی ہونے لگے تو نہ صرف اسلامی قانون کی روح ختم ہوجاتی ہے بلکہ یہ صورت حال غیر اسلامی عناصر کی آمد کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے[2]۔ وغیرہ وغیرہ

اس مسئلے پر گفتگو فرماتے ہوئے ایک جگہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:۔

فالزکوٰة والحج شرعا بمصلحة فاذاً تحویل علی استعاطها زالت المصلحة والحدود شرعت زجر للنفوس فالتحایل

---

[1] ایضاً ص۱۰۲ بحوالہ اقامة الدلیل علی ابطال التحلیل ص۱۱۱۔
[2] ابن قیم الجوزیہ ص۱۰۵ بحوالہ اعلام الموقعین ج۔۳ ص۱۵۶

علیٰ اسقاطها یزیل المقصود منها[1]

"زکوٰۃ اور حج (غذائی) مصالح ہیں۔ حیلہ کرنے سے مصالح ختم ہو جاتی ہیں اور مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدود لوگوں کو کسی بات سے باز رکھنے کا ذریعہ ہوتی ہیں حیلہ انہیں ختم کر کے ان کا مقصد فوت کر دیتا ہے۔"

(۳) رُوحِ شریعت کی تفہیم احکام شریعہ کو ان کی اصلی صورت میں جاری کے لئے روحِ شریعت کی تفہیم نہایت ضروری ہے۔ اس سے آزادیٔ فکر کی راہیں بھی کھلتی ہیں اور حیل جیسے مذموم رجحانات کا سدباب بھی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیم نے اپنے آپ کو روحِ شریعت کی تفہیم کی تحقیق کے وقف کر دیا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کی رائے میں ضروری یہ ہے کہ الفاظ پر رہنے کے بجائے نفس مسئلہ کی روح کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ ابن قیم مسائل کے ا میں اس اصول کو خصوصی طور پر مدِنظر رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے فقہ کے قوانین کے بارے میں اپنی منفرد رائے کا اظہار کیا ہے ان کی تعداد تو بہت ہے لیکن چند مسائل کا تذکرہ تمثیلاً درج ذیل ہے۔

(۱) قانونِ شہادت
(۲) نیت کا معاہدات پر اثر
(۳) آزادیٔ معاہدات کا لزوم
(۴) عمل فضولی کا اعتبار

گواہی کے متعلق فقہار کی رائے یہ ہے کہ کم ازکم دو صالح اور صادق مرد یا ایک اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن ابن قیم سنن ابوداؤد کی اس حدیث "اذا علم الحٰ صدق الشاهد الواحد يجوز له ان يحكم به" (جب حاکم کو ایک ہی سچے شخص کی گ مل جائے تو اسی سے فیصلہ کر دینا جائز ہے) سے یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ جب حقیقت

---

[1] ایضاً، بحوالہ اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۵۴-۱۵۳۔

منکشف یا عیاں ہو تو ایک ہی گواہ کافی ہے۔ اسی طرح نسائی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خزیمہ کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر فرمانا علامہ ابن قیم کے نزدیک محض فضیلت خزیمہ کا اظہار نہیں بلکہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ ایک قابل اعتبار شخص کی گواہی بھی کافی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان احادیث کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :-

وهذا يدل على ان البينة تطلق على الشاهد الواحد[1]

"اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ 'گواہی' کا اطلاق ایک گواہ پر بھی ہو سکتا ہے۔"

قانونِ شہادت میں علامہ ابن قیم کی یہ رائے درحقیقت روحِ شریعت کی تفہیم کا ہی حصہ ہے، جسے قانونِ شہادت میں تبدیلی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ موقع اور پیش آمد حالات کے مطابق فیصلے میں سہولت کی ایک راہ ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح معاملات میں نیت کے اثر کو بھی ابن قیم نظر انداز نہیں کرتے اور حدیث "انما الاعمال بالنیات" (اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) اور ارشاد نبوی "من تزوج امرأة بصداق لا يؤديه اليها فهو زانٍ" (جس نے کسی عورت سے اس نیت سے شادی کی کہ وہ اسے اس کا مہر ادا نہیں کرے گا گویا وہ زنا کرتا ہے) سے وہ اعمال میں نیت کے نفوذ و اثر کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآنی آیت "ولا تمسکوهن ضرارا لتعتدوا" وغیرہ سے ابن قیم یہی استدلال کرتے ہیں کہ اعمال کے انعقاد پر نیت کے اثر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں

"فالنية روح العمل ولبه وقوامه وهو تابع لها يصح بصحتها ويفسد بفسادها[2]"

(پس نیت عمل کی روح، اس کا جوہر اور اس کا قوام ہے۔ عمل نیت

---

[1] ایضاً، بحوالہ الطرق الحکمیۃ ص۷۶–۷۷

[2] ایضاً، ص۱۲۲ بحوالہ نفس المرجع ص۱۰۳

کے تابع ہے۔ اگر نیت صحیح ہے تو عمل صحیح اور اگر نیت خراب تو عمل بھی
خراب ہے)۔
یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیم کے نزدیک ایسی خرید و فروخت جائز نہیں جس
نیت ربا کی ہو۔ اور ایسا نکاح درست نہیں جس کا مقصد صرف کسی عورت کو اپنے لئے
کرنا ہو۔ اور انگور کا ایسا مشروب تیار کرنا درست نہیں، جس کا مقصد خمر کو نعم البدل کے طو
استعمال کرنا ہو۔ مراد یہ ہے کہ مقصد ہی پر حکم کا اطلاق ہونا چاہیئے[1]
مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں تصرف کرنے
پر فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ علامہ ابن قیم اس مسئلے میں "مصلحتِ وقت" کو ترجیح د
ہوئے غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی متصر
کے حق استیفاء کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مالِ غیر میں تصرف کی چند مثالیں حسب ذ
کسی شخص نے دیکھا کہ بکری (کسی وجہ سے) مرنے والی ہے اور وہ اسے ذبح
دیتا ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے تو اس کا یہ بلا اجازت فعل ناجائز متصور نہیں ہوگا
کسی کے گھر میں سیلاب کا پانی آگیا ہے یا آگ لگ گئی ہے اور مالک موجود
تو سامان کے تحفظ کے لئے بلا اجازت دیوار پھاندنا اور سامان نکالنا ناجائز نہیں سمجھ
جائے گا۔
کسی کی کھیتی پک گئی ہے لیکن مالک غائب ہو گیا ہے یا کسی ایسی جگہ قید
جہاں اجازت نہیں لی جا سکتی تو بلا اجازت فصل کی کٹائی ناجائز متصور نہیں ہوگی۔
بحری سفر میں جہاز کو حادثہ پیش آگیا۔ لوگ کشتیوں میں جان بچا کر بھاگ
ہیں ایسی صورت میں مالِ غیر کو بچانے کے لئے کسی شخص کا مال اپنی کشتی میں رکھنا
نہ ہوگا۔
ایسے ہی دوسرے حالات میں مصلحت وقت کی ترجیح کا ماخذ علامہ ابن قیم

---

[1] ایضاً ص ۱۲۱ (۲) بحوالہ اعلام الموقعین ج ۳ ص ۹۱

نزدیک وہ احادیث اور آیاتِ کریمہ ہیں جن میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب، محافظ اور مصلح بتایا گیا ہے۔ علامہ ابن قیم کا خیال ہے کہ اس قسم کے مصالح کا تعلق فرد سے نہیں بلکہ جماعت سے ہے۔ بالفاظ دیگر ایسے اعمال چونکہ رائے کلی کے دائرے میں آتے ہیں، اس لئے اسے مالِ غیر میں بلا اجازت تصرف کی بجائے احسان سے تعبیر کرنا چاہیئے[۱]

علامہ ابن قیم کے فقہی مطامح گو ان کے اپنے دور میں کڑی تنقید کا نشانہ بنے لیکن ان مطامح سے ان کے تلامذہ اور بعد میں آنے والوں نے جو استفادہ کیا وہ استفادہ فی الحقیقت تحررِ فکری اور روح شریعت کی تفہیم کے لئے سنگِ میل بن گیا۔

بعض صحیح حدیثیں ان علماء تابعین تک جنہیں فتوے کا کام سپرد تھا، نہیں پہنچی تھیں اور اس وجہ سے انہوں نے اجتہاد اور رائے سے کام لیا تھا اور صرف عام الفاظ کی انہوں نے اتباع کی تھی یا یہ کہ گزشتہ صحابہ کی اقتدا کرتے ہوئے اسی کے مطابق فتویٰ دے دیا تھا۔ تیسرے طبقہ میں جا کر ان احادیث کی شہرت بھی ہوئی لیکن یہ خیال کر کے کہ یہ احادیث ان کے شہر کے علماء کے متفق علیہ طریقہ کے خلاف ہیں، ان احادیث پر عمل نہیں کیا۔ علماء کا یہ طریقہ حدیث کے لئے موجب قدح وقباحت بن گیا تھا یا حدیث کے ساقط ہو جانے کی علت اور سبب بن گیا تھا یا پھر یہ کہ تیسرے طبقہ میں بھی ان احادیث کی شہرت نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی شہرت اس کے بعد ہوئی جب کہ علماء حدیث نے ان احادیث کے طریقوں پر نہایت غور و خوض سے نگاہ ڈالی (شاہ ولی اللہؒ)

---

[۱] ۱۴۷ بحوالہ اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۳-۲۱۔